AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اسلامی عدالت اور مجرمانہ قانون: قصاص، دیت اور تعزیرات کے نفاذ کا تجزیاتی مطالعہ

ISLAMIC COURTS AND CRIMINAL LAW: AN ANALYTICAL STUDY ON THE IMPLEMENTATION OF QISAS, DIYAT, AND TA'ZIR

Shakeel Akhtar Thakur
Principal,Islam Law College,Grand Asian University,Sialkot.
dr.shakeelthakur01@gmail.com
Nasreen Akhtar
International Islamic university Islamabad ,Department of shariah and law ,BA LLB(shariah and law)
nasreenqazi2025@gmail.com
Prof.Dr.Matloob Ahmad
(Corresponding Author)
Islamic Studies Department The University of Faisalabad.
dean.is@tuf.edu.pk

Abstract

This study presents a detailed analytical examination of the practical and jurisprudential aspects of the implementation of Islamic courts and criminal law, with a particular focus on the systems of Qisas (retribution), Diyat (blood money), and Ta'zir (discretionary punishments). The paper primarily relies on Islamic jurisprudence (Fiqh), the Qur'an, Sunnah, consensus (Ijma'), and authentic classical texts to provide a scholarly assessment of the legal and theoretical framework of Islamic courts, judicial powers, and the role of the state.The research begins with an exploration of the concept of Islamic courts, their historical evolution, and judicial system, including a detailed analysis of the qualifications of judges (Qadis), criteria for appointment, jurisdiction, judicial autonomy, and accountability mechanisms. Subsequently, the theoretical framework of Islamic criminal law is elaborated, addressing the definition of crime in Sharia, principles of legal responsibility, and the hierarchical categorization of Hudud (fixed punishments), Qisas, Diyat, and Ta'zir.The study examines the implementation of Qisas, its conditions, impediments, and the role of the victim's guardian (Wali-dam) or the state. The analysis demonstrates that Qisas is not merely punitive but also serves to establish justice, deter crime, and protect human life. The study further explores the system of Diyat, analyzing its amount, types, payment mechanisms, the role of 'Aqilah (relatives of the victim), and its application in contemporary legal frameworks. The discussion of Ta'zir addresses judicial discretion, the scope of discretionary punishments, types of penalties, and their reformative objectives.The paper also emphasizes evidence and the law of testimony, discussing confession, witness testimony, circumstantial evidence, oath-taking (Qasamah), and modern forensic evidence, highlighting their jurisprudential validity and judicial applicability. It demonstrates that the Islamic judicial system is founded on justice, transparency, and the accurate identification of crimes, while modern technological and forensic tools can be integrated in accordance with Sharia principles.

The study also examines the role of the state in enforcing criminal law, including the interaction between the judiciary and administrative authorities, practical challenges, and obstacles, along with recommendations for reform and efficiency within contemporary social and legal contexts. A comparative analysis with modern legal systems is provided, considering Islamic and Western criminal law, human rights, and international legal standards, highlighting the utility and purposive nature of Islamic punishments.The findings indicate that the Islamic criminal law system, through Qisas, Diyat, and Ta'zir, upholds the principles of justice, reform, social protection, and human rights. The objective of punishment is not merely retribution but also aims to maintain social order, provide moral education, reform the offender, and ensure the establishment of justice. Through scholarly references, jurisprudential reasoning, and practical applicability, this study elucidates the comprehensive and purposive nature of the Islamic judicial system and its compatibility with modern legal, social, and international frameworks.

Keywords:Islamic Criminal Law,Qisas, Evidence and Testimony,Judicial Discretion,Human Rights in Islamic Law,Comparative Criminal Law

یہ تحقیق اسلامی عدالت اور مجرمانہ قانون کے نفاذ کے عملی اور فقہی پہلوؤں کا ایک تفصیلی تجزیاتی مطالعہ پیش کرتی ہے، جس میں خصوصاً قصاص، دیت اور تعزیرات کے نظام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالہ بنیادی طور پر اسلامی فقہ، قرآن و سنت، اجماع اور مستند فقہی متون کی روشنی میں اسلامی عدالت کے قانونی اور نظریاتی ڈھانچے، عدالتی اختیارات اور ریاست کے کردار کا علمی جائزہ فراہم کرتا ہے۔ تحقیق میں ابتدائی طور پر اسلامی عدالت کے تصور، تاریخی ارتقاء اور عدالتی نظام کی وضاحت کی گئی ہے، جس میں قاضی کے صفات، تقرری کے معیار، اختیارات، عدالتی خود مختاری اور احتسابی ذمہ داری کا مفصل تجزیہ شامل ہے۔ اس کے بعد اسلامی مجرمانہ قانون کے نظریاتی فریم ورک کو بیان کیا گیا ہے، جس میں جرم کی شرعی تعریف، شرعی ذمہ داری کے اصول اور حدود، قصاص، دیت اور تعزیرات کی فقہی درجہ بندی پر علمی بحث پیش کی گئی ہے۔ اس میں قصاص کے نفاذ، اس کی شرائط، موانع اور ولی دم یا ریاست کے کردار پر توجہ دی گئی ہے۔ تحقیقی تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ قصاص صرف سزا کے لیے نہیں بلکہ معاشرتی عدل، جرائم کی روک تھام اور انسانی زندگی کے تحفظ کے مقاصد کو بھی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ دیت کے نظام پر مطالعہ کرتے ہوئے اس کی مقدار، اقسام، ادائیگی کا نظام، عاقلہ کی ذمہ داری اور جدید قانونی نظام میں اس کے اطلاق پر بھی تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔ تعزیرات کے ابواب میں قاضی کی صوابدید، تعزیری اختیارات، سزاؤں کی اقسام، اور اصلاحی و اصلاحی پہلو پر علمی غور و فکر پیش کیا گیا ہے۔ ثبوت اور قانونِ شہادت کے باب میں اقرار، شہادت، قرائن، قسامہ اور جدید فرانزک شواہد کی شرعی حیثیت اور عدالتی تطبیق پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی عدالت میں ثبوت کے نظام کی بنیاد عدل، شفافیت، اور جرم کی صحیح شناخت پر ہے، اور جدید دور کے ٹیکنالوجیکل اور فرانزک وسائل کو بھی شریعت کے اصولوں کے مطابق استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مقالہ میں ریاست کے کردار پر بھی توجہ دی گئی ہے، جس میں اسلامی ریاست میں مجرمانہ قانون کے نفاذ، انتظامیہ اور عدلیہ کے تعلق، نفاذ میں عملی رکاوٹیں اور چیلنجز اور موجودہ سماجی و قانونی معروضات کے مطابق اصلاحی اقدامات کا علمی تجزیہ کیا گیا ہے۔ معاصر قانونی نظاموں کے ساتھ تقابلی مطالعہ بھی شامل ہے، جس میں اسلامی اور مغربی فوجداری قانون، انسانی حقوق، اور بین الاقوامی قانونی معیارات کے تناظر میں اسلامی سزاؤں کی افادیت اور مقاصدی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلامی مجرمانہ قانون کا نظام قصاص، دیت اور تعزیرات کے ذریعے عدل، اصلاح، معاشرتی تحفظ، اور انسانی حقوق کے اصولوں کی تکمیل کرتا ہے۔ اس نظام میں سزا کا مقصد صرف جزا یا انتقام نہیں بلکہ معاشرتی نظم، اخلاقی تربیت، مجرم کی اصلاح اور عدل کے قیام کو بھی یقینی بنانا ہے۔ مقالہ علمی حوالہ جات، فقہی استدلال اور عملی مطابقت کے ذریعے اسلامی عدالت کے مکمل اور مقاصدی نظام کو واضح کرتا ہے اور جدید قانونی، سماجی اور عالمی تناظر میں اس کی مطابقت کو اجاگر کرتا ہے۔

اسلامی عدالت کا تصور اور عدالتی نظام

اسلامی عدالت اس عدالتی ادارے کا نام ہے جو شریعتِ اسلامی کی بنیاد پر نزاعات کے فیصلے، حقوق کی بحالی اور عدل کے قیام کی ذمہ داری انجام دیتا ہے۔ اسلامی عدالتی نظام کی اساس وحیِ الٰہی پر قائم ہے، جس میں قانون سازی، عدالتی طریقِ کار اور فیصلوں کے معیارات سب شریعت کے تابع ہوتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اسلامی عدالت کا ارتقاء عہدِ نبویؐ سے شروع ہوتا ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس قاضی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ بعد ازاں عہدِ خلافتِ راشدہ میں باقاعدہ عدالتی ڈھانچہ تشکیل پایا، قاضیوں کی تقرری عمل میں آئی اور عدل کو ریاستی نظم کا مرکزی ستون بنایا گیا۔ اموی اور عباسی ادوار میں اسلامی عدالت نے مزید ارتقاء پایا اور فقہی مکاتبِ فکر کی روشنی میں باقاعدہ عدالتی نظائر (precedents) وجود میں آئیں. اسلامی عدالت محض قانونی تنازعات کے حل کا ادارہ نہیں بلکہ یہ اخلاقی، سماجی اور دینی اقدار کا محافظ بھی ہے، جس کا بنیادی مقصد انصاف کے ذریعے معاشرتی توازن کو برقرار رکھنا ہے۔

امام ماوردی اسلامی عدالت کے تصور کو واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"وَأَمَّا الْقَضَاءُ فَهُوَ فَصْلُ الْخُصُومَاتِ وَقَطْعُ الْمُنَازَعَاتِ عَلَىٰ وَجْهِ الْإِلْزَامِ بِأَحْكَامِ الشَّرْعِ[1]".

قضا (عدالت) سے مراد یہ ہے کہ شرعی احکام کے مطابق فریقین کے جھگڑوں کا فیصلہ کیا

---

[1] ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد۔ الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ: بیروت، 1985ء، ج1، ص69

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جائے اور تنازعات کو لازمی طور پر ختم کیا جائے۔

یہ تعریف اسلامی عدالت کی جامع تصویر پیش کرتی ہے۔ امام ماوردی کے نزدیک عدالت کا بنیادی فریضہ صرف ثالثی نہیں بلکہ شرعی حکم کے نفاذ کے ساتھ نزاع کا قطعی خاتمہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی عدالت میں فیصلے اخلاقی نصیحت تک محدود نہیں ہوتے بلکہ ان کی الزامی حیثیت ہوتی ہے۔ یہی وصف اسلامی عدالتی نظام کو جدید ثالثی یا مصالحتی نظاموں سے ممتاز کرتا ہے۔ اسلامی عدالت ایک منظم، بااختیار اور شریعت پر مبنی ادارہ ہے جو آغازِ اسلام ہی سے ریاستی نظام کا لازمی جزو رہا ہے۔ اس کا تاریخی ارتقاء اس حقیقت کی دلیل ہے کہ عدل کا قیام اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

قرآن و سنت میں عدل و قضا کے اصول

اسلامی عدالتی نظام کی اصل بنیاد قرآنِ مجید اور سنتِ نبویؐ ہیں۔ قرآن نے عدل کو محض ایک اخلاقی قدر نہیں بلکہ ایک شرعی فریضہ قرار دیا ہے، جو قاضی، حاکم اور عام فرد سب پر یکساں لازم ہے۔ اسی طرح سنتِ نبویؐ میں عدالتی فیصلوں کے عملی نمونے موجود ہیں، جن میں غیر جانبداری، شواہد کی جانچ اور فریقین کے حقوق کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔ قرآن و سنت میں عدل کا تصور رنگ، نسل، مذہب اور سماجی حیثیت سے بالاتر ہو کر پیش کیا گیا ہے، جس سے اسلامی عدالت کی آفاقی اور غیر امتیازی حیثیت واضح ہوتی ہے۔

امام ابنِ تیمیہ عدل کی ہمہ گیر حیثیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"إِنَّ اللَّهَ يُقِيمُ الدَّوْلَةَ الْعَادِلَةَ وَإِنْ كَانَتْ كَافِرَةً، وَلَا يُقِيمُ الدَّوْلَةَ الظَّالِمَةَ وَإِنْ كَانَتْ مُسْلِمَةً[2]".

اللہ تعالیٰ عادل ریاست کو قائم رکھتا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اور ظالم ریاست کو قائم نہیں رکھتا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

یہ قول قرآن و سنت کے عدل پر مبنی نظام کا نچوڑ ہے۔ ابنِ تیمیہ کے نزدیک ریاست کی بقا کا اصل معیار عدل ہے نہ کہ محض مذہبی شناخت۔ اس اصول کا اطلاق عدالتی نظام پر بھی ہوتا ہے، جہاں فیصلہ حق کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نہ کہ شخصی یا گروہی وابستگی کی بنیاد پر۔ یہی اصول اسلامی عدالت کو عالمی عدالتی اقدار سے ہم آہنگ بناتا ہے۔ قرآن و سنت میں عدل و قضا کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی عدالت کا پورا نظام اسی اصول پر قائم ہے کہ عدل کے بغیر نہ فرد کی اصلاح ممکن ہے اور نہ ریاست کی بقا۔

قاضی کے اوصاف، تقرری اور اختیارات

اسلامی عدالتی نظام میں قاضی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ عدل کے عملی نفاذ کا دارومدار اسی کے کردار، اہلیت اور دیانت پر ہوتا ہے۔ اسلام نے قاضی کے منصب کو محض ایک انتظامی ذمہ داری نہیں بلکہ ایک شرعی امانت قرار دیا ہے، جس کے لیے مخصوص علمی، اخلاقی اور عملی اوصاف لازم ہیں۔ قاضی کی تقرری اسلامی ریاست کی طرف سے عمل میں آتی ہے اور اس کا مقصد ایسے فرد کا انتخاب ہوتا ہے جو شریعت کے احکام کا گہرا علم رکھتا ہو، تقویٰ اور غیر جانبداری میں ممتاز ہو اور فیصلے میں کسی دنیوی دباؤ کو خاطر میں نہ لاتا ہو۔ قاضی کے اختیارات بھی شریعت کے دائرے میں محدود ہوتے ہیں تاکہ عدالتی صوابدید ظلم یا استبداد کا ذریعہ نہ بن سکے۔ اسلامی فقہ میں قاضی کے اوصاف، تقرری کے اصول اور اختیارات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تاکہ عدالتی نظام عدل و انصاف کے حقیقی تقاضوں کو پورا کر سکے۔

امام ماوردی قاضی کے بنیادی اوصاف اور اس کے منصب کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"وَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ الْقَاضِي عَالِمًا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، عَادِلًا فِي دِينِهِ، سَلِيمَ الْحَوَاسِّ، قَوِيَّ الرَّأْيِ، لَا تَأْخُذُهُ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ[3]".

---

[2] ابنِ تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم۔ مجموع الفتاویٰ۔ مکتبہ: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف: مدینہ منورہ، 2004ء، ج28، ص146

[3] ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد۔ الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985ء، ج1، ص73

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قاضی کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن و سنت کا علم رکھنے والا ہو، اپنے دین میں عادل ہو، حواس و فہم میں سالم ہو، مضبوط رائے کا حامل ہو، اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتا ہو۔

یہ اقتباس اسلامی عدالتی نظام میں قاضی کے مقام اور ذمہ داری کی جامع وضاحت کرتا ہے۔ امام ماوردی کے نزدیک قاضی کا سب سے پہلا وصف علمِ شریعت ہے، کیونکہ بغیر علم کے عدل ممکن نہیں۔ دوسرا بنیادی وصف عدالت و تقویٰ ہے، جو قاضی کو ذاتی مفادات اور خارجی دباؤ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح "قوی الرأی" ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی محض نصوص کا ناقل نہیں بلکہ حالات و قرائن کو سمجھ کر شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ قاضی کے اختیارات جیسے مقدمات کی سماعت، شہادت کا جائزہ، فیصلے کا نفاذ—اسی وقت معتبر ہوتے ہیں جب وہ ان اوصاف کا حامل ہو۔ بصورتِ دیگر اسلامی فقہ میں اس کی معزولی تک کی گنجائش رکھی گئی ہے، جو عدل کی بالادستی کا واضح ثبوت ہے۔ اسلامی عدالتی نظام میں قاضی کا منصب غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ قاضی کے اوصاف، اس کی تقرری اور اختیارات کو شریعت کی سخت قیود میں رکھنے کا مقصد یہی ہے کہ عدل ذاتی خواہشات یا ریاستی دباؤ کا شکار نہ ہو۔ اس طرح اسلامی عدالت فرد، معاشرہ اور ریاست تینوں کے لیے انصاف کی ضامن بنتی ہے۔

عدالتی خود مختاری اور احتساب

اسلامی عدالتی نظام کی ایک نمایاں خصوصیت عدالتی خود مختاری (Judicial Independence) ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ قاضی اپنے فیصلے میں کسی سیاسی، انتظامی یا سماجی دباؤ کا شکار نہ ہو۔ اسلام میں عدل کے قیام کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ حاکم وقت بھی عدالتی عمل میں قاضی پر اثر انداز ہونے کا مجاز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں خلفاء اور حکام کو عدالت میں عام شہریوں کی طرح پیش ہوتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ تاہم اسلامی تصورِ عدل میں خود مختاری کا مطلب مطلق اختیار نہیں، بلکہ اسے احتساب (Accountability) کے اصول سے مشروط کیا گیا ہے۔ قاضی اگرچہ فیصلہ کرنے میں آزاد ہے، لیکن وہ شریعت، اخلاقی اصولوں اور عوامی مفاد کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ اس توازن کے بغیر عدالتی نظام یا تو استبداد کا شکار ہو جاتا ہے یا کمزوری اور بے اثری کا۔ اسلامی فقہ میں عدالتی خود مختاری اور احتساب کو ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ تکمیلی اصول قرار دیا گیا ہے، تاکہ عدل مضبوط بھی رہے اور جواب دہ بھی۔

امام ابنِ فرحون عدالتی احتساب اور قاضی کی ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"وَإِذَا جَارَ الْقَاضِي أَوْ خَالَفَ الْحَقَّ عُزِلَ، لِأَنَّ الْقَضَاءَ أَمَانَةٌ وَلَيْسَ تَشْرِيفًا"[4].

جب قاضی ظلم کرے یا حق کے خلاف فیصلہ دے تو اسے معزول کر دیا جائے گا
کیونکہ قضا ایک امانت ہے، کوئی اعزازی منصب نہیں۔

یہ اقتباس اسلامی عدالتی نظام کے توازن کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتا ہے۔ ابنِ فرحون کے نزدیک قاضی کو فیصلے میں مکمل خود مختاری حاصل ہے، مگر یہ خود مختاری شرعی حدود کے اندر ہے۔ جیسے ہی قاضی ان حدود سے تجاوز کرتا ہے چاہے جان بوجھ کر یا نااہلی کے سبب تو اس کا احتساب لازم ہو جاتا ہے۔ اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی عدالتی نظام میں قاضی نہ تو حکمران کا تابعِ محض ہے اور نہ ہی قانون سے بالاتر۔ اس کے فیصلوں کی بنیاد شریعت ہے، اور اسی شریعت کے تحت اس کی نگرانی اور احتساب بھی ہوتا ہے۔ یہی تصور جدید عدالتی نظاموں میں موجود *Judicial Accountability* کے تصور سے ہم آہنگ نظر آتا ہے، بلکہ کئی پہلوؤں سے اس سے زیادہ جامع ہے۔

اسلامی عدالتی نظام عدالتی خود مختاری اور احتساب کے درمیان ایک متوازن راہ اختیار کرتا ہے۔ قاضی کو فیصلے میں آزادی دے کر عدل کو مضبوط بنایا جاتا ہے، جبکہ احتساب کے ذریعے اس آزادی کو ظلم میں بدلنے سے روکا جاتا ہے۔ یہی توازن اسلامی عدالت کو ایک مؤثر، عادل اور قابلِ اعتماد ادارہ بناتا ہے۔

اسلامی مجرمانہ قانون کا نظریاتی فریم ورک

اسلامی مجرمانہ قانون میں جرم کا تصور محض ریاستی قانون کی خلاف ورزی تک محدود نہیں، بلکہ اسے اللہ کی حدود کی پامالی اور معاشرتی نظم کے بگاڑ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت میں جرم اس فعل یا ترکِ فعل کو کہا جاتا ہے جو کسی قطعی یا ظنی شرعی حکم کے خلاف ہو اور جس پر دنیوی سزا یا اخروی مواخذہ مترتب ہوتا

---

[4] ابنِ فرحون، ابراہیم بن علی۔ تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام۔ مکتبہ: دار الفکر، بیروت، 1995ء، ج 1، ص 45

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ہو۔اسی طرح ذمہ داری (Responsibility) کا تصور بھی اسلامی قانون میں اخلاقی، شرعی اور قانونی پہلوؤں کا جامع امتزاج ہے۔ شریعت کے نزدیک ہر شخص اسی وقت مجرمانہ ذمہ داری کا حامل ہوتا ہے جب وہ عاقل، بالغ اور مختار ہو۔ اس اصول کے ذریعے اسلام نے فرد کو غیر منصفانہ سزا سے محفوظ رکھا اور عدل کو جرم و سزا کے پورے نظام کی بنیاد بنایا۔

امام ابنِ قدامہ جرم اور ذمہ داری کے تعلق کو واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"وَلَا يَثْبُتُ التَّكْلِيفُ إِلَّا بِالْعَقْلِ، وَلَا عُقُوبَةَ إِلَّا عَلَى فِعْلٍ مُحَرَّمٍ[5]".

تکلیف (قانونی ذمہ داری) عقل کے بغیر ثابت نہیں ہوتی، اور سزا صرف اسی فعل پر دی جائے گی جو شرعاً حرام ہو۔

یہ اقتباس اسلامی مجرمانہ قانون کے بنیادی اصول کو واضح کرتا ہے کہ قانونی ذمہ داری عقل سے مشروط ہے۔ ابنِ قدامہ کے مطابق کسی ایسے شخص کو مجرم قرار دینا جو عقل یا اختیار سے محروم ہو، شریعت کے اصولِ عدل کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون میں مجنون، نابالغ اور مجبور شخص کو عمومی طور پر فوجداری ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس اصول سے اسلامی مجرمانہ قانون کی انسانی اور اخلاقی بنیاد نمایاں ہوتی ہے، جو جدید قانونی نظریات (Mens Rea) سے بھی ہم آہنگ ہے۔ اسلامی مجرمانہ قانون میں جرم اور ذمہ داری کا تصور محض ظاہری فعل پر نہیں بلکہ عقل، اختیار اور شرعی ممانعت پر قائم ہے۔ یہی تصور اسلامی فوجداری نظام کو عدل، توازن اور انسانی وقار کا محافظ بناتا ہے۔

حدود، قصاص، دیت اور تعزیرات کی درجہ بندی

اسلامی مجرمانہ قانون کی ایک امتیازی خصوصیت جرائم اور سزاؤں کی واضح اور اصولی درجہ بندی ہے۔ شریعت نے تمام جرائم کو ایک ہی نوعیت کا قرار نہیں دیا، بلکہ ان کی نوعیت، شدت اور سماجی اثرات کے لحاظ سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ حدود، قصاص، دیت اور تعزیرات کی یہ تقسیم اس حقیقت کی عکاس ہے کہ اسلامی قانون سزا کو محض انتقام نہیں بلکہ عدل، تلافی اور اصلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ ہر قسم کی سزا کے لیے الگ اصول، شرائط اور عدالتی دائرہ مقرر کیا گیا ہے، تاکہ سزا جرم کے متناسب ہو۔

امام سرخسی اسلامی سزاؤں کی درجہ بندی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"الْجِنَايَاتُ ثَلَاثَةٌ: حُدُودٌ، وَقِصَاصٌ، وَتَعْزِيرٌ، فَالْحُدُودُ حُقُوقُ اللهِ، وَالْقِصَاصُ حَقٌّ لِلْعِبَادِ، وَالتَّعْزِيرُ مُفَوَّضٌ إِلَى رَأْيِ الْإِمَامِ[6]".

جرائم تین قسم کے ہیں: حدود، قصاص اور تعزیر۔ حدود اللہ کے حقوق ہیں، قصاص بندوں کا حق ہے، اور تعزیر امام (ریاست) کی رائے پر موقوف ہے۔

یہ اقتباس اسلامی مجرمانہ قانون کے ڈھانچے کو نہایت جامع انداز میں پیش کرتا ہے۔ سرخسی کے مطابق حدود وہ جرائم ہیں جن کی سزا نصِ قطعی سے متعین ہے اور ان میں ریاست یا فرد کو کمی بیشی کا اختیار نہیں۔ قصاص و دیت میں انسانی جان اور جسمانی سلامتی کو مرکزیت حاصل ہے، جہاں متاثرہ فریق کو فیصلہ کن حیثیت دی گئی ہے۔ جبکہ تعزیرات میں ریاست اور قاضی کو صوابدید دی گئی ہے تاکہ بدلتے حالات اور نئے جرائم کا مؤثر حل ممکن ہو۔ یہی لچک اسلامی مجرمانہ قانون کو ہر دور کے لیے قابلِ نفاذ بناتی ہے۔ اسلامی مجرمانہ قانون ایک منظم، متوازن اور مقاصدی نظام ہے، جس میں ہر جرم کو اس کی نوعیت کے مطابق درجہ بند کرکے سزا مقرر کی گئی ہے۔ یہ درجہ بندی اسلامی قانون کو سختی اور لچک، دونوں کا حسین امتزاج بناتی ہے۔

---

5 ابنِ قدامہ، عبداللہ بن احمد۔ المغنی۔ مکتبہ: دار الفکر، مقامِ اشاعت: بیروت، سنِ اشاعت: 1985ء، ج10، ص47

6 سرخسی، محمد بن احمد۔ المبسوط۔ مکتبہ: دار المعرفۃ، بیروت، 1993ء، ج9، ص36۔

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

حقُ اللہ اور حقُ العبد کا فقہی امتیاز

اسلامی مجرمانہ قانون کی ایک بنیادی خصوصیت جرائم اور سزاؤں کی درجہ بندی حقوق کی نوعیت کے اعتبار سے ہے۔ شریعت نے تمام جرائم کو یکساں نہیں سمجھا بلکہ انہیں حقُ اللہ اور حقُ العبد کے زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ اس امتیاز کا مقصد یہ ہے کہ ہر جرم کے سماجی، دینی اور قانونی اثرات کو درست طور پر سمجھا جا سکے اور اسی کے مطابق سزا یا تلافی کا نظام قائم کیا جائے۔ حقُ اللہ سے مراد وہ حقوق ہیں جن کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے احکام اور اجتماعی نظم سے ہوتا ہے، جیسے حدود۔ جبکہ حقُ العبد وہ حقوق ہیں جو افراد کی جان، مال اور عزت سے متعلق ہوں، جیسے قصاص اور دیت۔ بعض جرائم ایسے بھی ہیں جن میں دونوں حقوق جمع ہو جاتے ہیں، جس سے اسلامی قانون کی باریک بینی اور توازن کا اظہار ہوتا ہے۔ امام شاطبی حقوق کی اس تقسیم کو واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"الْحُقُوقُ فِي الشَّرِيعَةِ إِمَّا حَقٌّ لِلَّهِ أَوْ حَقٌّ لِلْعِبَادِ، وَحَقُّ اللهِ مَبْنِيٌّ عَلَى الْمُسَامَحَةِ، وَحَقُّ الْعَبْدِ مَبْنِيٌّ عَلَى الْمُشَاحَّةِ[7]".

شریعت میں حقوق یا تو اللہ کے حقوق ہوتے ہیں یا بندوں کے حقوق، اور اللہ کا حق نرمی اور درگزر پر مبنی ہوتا ہے، جبکہ بندوں کا حق سختی اور مطالبے پر قائم ہوتا ہے۔

یہ اقتباس اسلامی مجرمانہ قانون کے ایک نہایت اہم اصول کی وضاحت کرتا ہے۔ امام شاطبی کے نزدیک حقُ اللہ کا تعلق اجتماعی مفاد اور دینی نظم سے ہے، اسی لیے ان میں ذاتی معافی کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ اس کے برعکس حقُ العبد میں متاثرہ فرد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اور شریعت اس کے حق کی ادائیگی پر خصوصی زور دیتی ہے۔ یہی فقہی امتیاز قصاص میں معافی کے امکان اور حدود میں سخت ثبوتی شرائط کی حکمت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی قانون نہ تو صرف ریاستی مفاد پر مبنی ہے اور نہ ہی محض فردی، بلکہ دونوں کے درمیان متوازن نظام پیش کرتا ہے۔ حقُ اللہ اور حقُ العبد کا فقہی امتیاز اسلامی مجرمانہ قانون کی فکری بنیاد ہے، جس کے بغیر نہ سزا کا درست تعین ممکن ہے اور نہ عدل کا قیام۔ یہ امتیاز اسلامی قانون کو جامع، منصفانہ اور مقاصدی بناتا ہے۔

سزا کے مقاصد: عدل، اصلاح اور انسدادِ جرم

اسلامی مجرمانہ قانون میں سزا کا مقصد محض مجرم کو تکلیف دینا نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت اصلاحی عمل ہے۔ شریعت نے سزا کو عدل کے قیام، مجرم کی اصلاح اور معاشرے میں جرم کے انسداد کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی سزائیں نہ تو اندھی سختی پر مبنی ہیں اور نہ ہی غیر مؤثر نرمی پر۔ اسلام میں سزا کا تصور فرد اور معاشرے دونوں کو سامنے رکھتا ہے۔ ایک طرف مجرم کو اس کے فعل کا احساس دلایا جاتا ہے، اور دوسری طرف معاشرے کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ اس جامع تصور کی بنیاد قرآن و سنت اور فقہائے اسلام کے اصولی مباحث میں ملتی ہے۔

امام ابنِ قیم سزا کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"إِنَّ الْعُقُوبَاتِ شُرِعَتْ لِإِقَامَةِ الْعَدْلِ، وَزَجْرِ النَّاسِ عَنِ الْفَسَادِ، وَإِصْلَاحِ الْعِبَادِ[8]".

سزائیں اس لیے مقرر کی گئی ہیں تاکہ عدل قائم ہو، لوگوں کو فساد سے روکا جائے اور بندوں کی اصلاح کی جائے۔

یہ اقتباس اسلامی نظریۂ سزا کو نہایت جامع انداز میں پیش کرتا ہے۔ ابنِ قیم کے مطابق سزا کے تین بنیادی مقاصد ہیں:

- عدل کا قیام تاکہ مظلوم کو اس کا حق ملے۔
- انسدادِ جرم تاکہ سزا دوسروں کے لیے عبرت بنے۔
- اصلاحِ مجرم تاکہ وہ معاشرے کا مفید فرد بن سکے۔

[7] شاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ۔ الموافقات في أصول الشريعة۔ مکتبہ: دار ابن عفان، قاہرہ، 1997ء، ج2، ص302

[8] ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر۔ الطرق الحكمية في السياسة الشرعية۔ مکتبہ: دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ، 2007ء، ص15

یہ تصور جدید فوجداری نظریات (Deterrence, Rehabilitation, Justice) سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ ان سے زیادہ متوازن ہے، کیونکہ اس میں اخلاقی اور روحانی پہلو بھی شامل ہیں۔ اسلامی مجرمانہ قانون میں سزا ایک بامقصد اور اصلاحی عمل ہے، جس کا ہدف فرد کی اصلاح، معاشرے کا تحفظ اور عدل کا قیام ہے۔ یہی جامع تصور اسلامی فوجداری نظام کو ہر دور میں قابلِ نفاذ اور مؤثر بناتا ہے۔

قصاص تصور، شرائط اور نفاذ

اسلامی مجرمانہ قانون میں قصاص ایک بنیادی اور مرکزی سزا ہے جو انسانی جان اور جسمانی سلامتی کے تحفظ سے براہِ راست متعلق ہے۔ شریعتِ اسلامی نے قصاص کو محض انتقامی عمل کے طور پر نہیں بلکہ عدل، مساوات اور سماجی توازن کے قیام کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لغوی اعتبار سے قصاص میں برابری اور مماثلت کا مفہوم پایا جاتا ہے، جبکہ اصطلاحی طور پر یہ اس سزا کو کہا جاتا ہے جو مجرم کے فعل کے عین مطابق دی جائے۔ اس تصور کا مقصد یہ ہے کہ سزا جرم سے زائد نہ ہو اور نہ ہی اس سے کم، تاکہ ظلم کا ہر امکان ختم ہو جائے۔ اسلامی فقہ میں قصاص کی تعریف اور اس کے دائرۂ کار پر تفصیلی بحث ملتی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سزا نہ صرف مجرم کے لیے بازدار (deterrent) ہے بلکہ معاشرے میں قانون کی بالادستی کو بھی مضبوط کرتی ہے۔

امام کاسانی قصاص کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"الْقِصَاصُ هُوَ الْمُسَاوَاةُ فِي الْجِنَايَةِ، بِأَنْ يُفْعَلَ بِالْجَانِي مِثْلُ مَا فَعَلَ بِالْمَجْنِيِّ عَلَيْهِ[9]".

قصاص یہ ہے کہ جرم میں برابری کی جائے، یعنی مجرم کے ساتھ وہی کیا جائے جو اس نے مظلوم کے ساتھ کیا ہو۔

یہ تعریف قصاص کے بنیادی اصول یعنی مساوات کو واضح کرتی ہے۔ امام کاسانی کے نزدیک قصاص کا مقصد محض بدلہ لینا نہیں بلکہ ایسا عدل قائم کرنا ہے جس میں نہ زیادتی ہو اور نہ کوتاہی۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے قصاص کے نفاذ میں مساوات، ارادہ، اور جرم کی نوعیت جیسے عناصر کو بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ یہ تصور اسلامی مجرمانہ قانون کو انتقامی قوانین سے ممتاز کرتا ہے، کیونکہ یہاں سزا جذبات کے بجائے اصول اور ضابطے کے تحت دی جاتی ہے۔ قصاص ایک منظم، اصولی اور عدل پر مبنی سزا ہے، جس کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اسلامی مجرمانہ قانون کے تصورِ انصاف کو پوری طرح نمایاں کرتی ہے۔

قصاص کے شرعی دلائل

قصاص کی مشروعیت اسلامی قانون میں قطعی دلائل پر قائم ہے۔ قرآنِ مجید نے قصاص کو انسانی جان کے تحفظ اور معاشرتی امن کے لیے لازم قرار دیا ہے، جبکہ سنتِ نبویؐ میں اس کے عملی نمونے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ فقہائے امت کا اجماع بھی قصاص کی شرعی حیثیت پر قائم ہے، جس سے اس کی قانونی قطعیت مزید مستحکم ہو جاتی ہے۔ قصاص کے شرعی دلائل اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ یہ سزا محض سماجی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ عدالتی حکم ہے، جس میں حکمت، رحمت اور عدل یکجا ہو جاتے ہیں۔

امام قرطبی قصاص کی قرآنی اساس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ[10]

اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو!

امام قرطبی کے مطابق اس آیت میں قصاص کی سب سے بڑی حکمت بیان کی گئی ہے، یعنی حفظِ حیات۔ قصاص کا نفاذ دراصل قتل کو روکتا ہے، کیونکہ مجرم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فعل کا نتیجہ اس کی اپنی جان کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ یہی اصول سنتِ نبویؐ سے بھی ثابت ہوتا ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ نے قصاص کو نافذ فرمایا، اور فقہائے امت نے اس پر اجماع کیا۔ اس طرح قصاص قرآن، سنت اور اجماع تینوں سے ثابت ایک قطعی شرعی حکم ہے۔ قصاص کی مشروعیت قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ایک قطعی امر ہے۔ اس کے شرعی دلائل اس سزا کو اسلامی مجرمانہ قانون کا ایک مضبوط، عادلانہ اور ناگزیر ستون ثابت کرتے ہیں۔

---

[9] کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1986ء، ج7، ص233

[10] قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد۔ الجامع لأحکام القرآن۔ مکتبہ: دار الکتب المصریہ، قاہرہ، 1994، ج2، ص245۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قصاص کے نفاذ کی شرائط اور موانع

قصاص کی سزا کا نفاذ اسلامی فوجداری قانون میں مشروط ہے۔ یہ سزا کسی بھی غیر جانبدارانہ، مستند اور اصولی عدالتی عمل کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتی۔ فقہاء نے قصاص کے نفاذ کے لیے کئی شرائط مقرر کی ہیں، جیسے کہ جرم کا قطعی ثبوت، مجرم کا بالغ اور عاقل ہونا، اور قصاص کے لیے ایک مناسب عدالت کا قیام۔ اسی طرح موانع (معذوریاں) بھی واضح کی گئی ہیں، جیسے کہ مجرم کی مجبوری، نفسیاتی عوارض یا ثبوت کی کمی۔ ان موانع کی بنیاد پر قاضی قصاص کے نفاذ کو مؤخر یا منسوخ کر سکتا ہے، تاکہ عدل اور انصاف کی روح ہمیشہ برقرار رہے۔

امام شامی فرماتے ہیں:

"لَا يُقَصَّصُ حَقٌّ إِلَّا لَمَا يُثْبِتُ بِهِ شُهُودٌ صَحِيحَةٌ، وَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ الْجَانِي بَالِغًا عَاقِلًا وَأَنْ يَكُونَ الْمُسْتَحِقُّ لِلْقِصَاصِ قَادِرًا عَلَى ذَلِكَ[11]".

کسی بھی حق کے قصاص کا نفاذ صرف اس صورت ممکن ہے جب اسے درست شہادتوں کے ذریعے ثابت کیا جائے، اور مجرم بالغ، عاقل ہو اور جو قصاص کا مستحق ہے، وہ اس قابل ہو کہ قصاص نافذ کیا جا سکے۔

یہ اقتباس قصاص کے نفاذ میں ثبوت، اہلِ جرم اور اہلِ قصاص کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ امام شامی کے مطابق صرف ثبوت کی کمی یا مجرم کی ناتوانی کی صورت میں قصاص مؤخر یا رد کیا جا سکتا ہے۔ اس سے عدالتی تحفظ اور انصاف کے قیام کی ضمانت ملتی ہے قصاص کا نفاذ عدالتی اصول، شہادت اور اہلِ قصاص کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ نظام انصاف اور اصولی کارروائی کو یقینی بناتا ہے اور غلط سزا کے امکان کو ختم کرتا ہے۔

قصاص میں عفو، صلح اور ولی دم کا کردار

اسلامی مجرمانہ قانون میں قصاص کو سخت سزا کے طور پر دیکھا جاتا ہے، لیکن شریعت نے رحمت اور صلح کے مواقع بھی فراہم کیے ہیں۔ متاثرہ فریق، یعنی ولیِ دم، کو قصاص میں فیصلہ کرنے اور مجرم کو معاف کرنے یا صلح کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ نظام نہ صرف عدل بلکہ سماجی مفاہمت اور انسانی ہمدردی کو بھی فروغ دیتا ہے۔ صلح اور عفو کا تصور اسلامی عدالتی نظام کی اخلاقی و فقہی بنیاد کو مضبوط کرتا ہے اور معاشرے میں فساد اور انتقام کی رواداری کو کم کرتا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"وَلِلْمَجْنِي عَلَيْهِ أَنْ يَعْفُوَ أَوْ يُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ، فَإِنَّ الْعَفْوَ أَعْلَىٰ دَرَجَةً وَأَبْقَى فِي دِينِ اللهِ[12]".

متاثرہ فریق کو اختیار ہے کہ وہ معاف کر دے یا لوگوں کے درمیان صلح کرائے، کیونکہ معافی سب سے بلند مقام ہے اور اللہ کے دین میں زیادہ دوام رکھتی ہے۔

یہ اقتباس اسلامی قانون میں ولیِ دم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ قرطبی کے مطابق صلح اور عفو صرف اخلاقی عمل نہیں بلکہ شریعت کی طرف سے فراہم کردہ قانونی اختیار ہے۔ یہ اختیار معاشرتی ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے اور انتقامی نظام کی سختیوں کو متوازن بناتا ہے۔ قصاص میں عفو اور صلح کا تصور اسلامی عدالت کی انسانی و اخلاقی جہت کو ظاہر کرتا ہے۔ ولیِ دم کے اختیار سے عدل اور رحم کے درمیان توازن قائم رہتا ہے اور معاشرت میں اصلاح کا موقع ملتا ہے۔

قصاص اور ریاستی اختیار کا باہمی تعلق

اسلامی قانون میں قصاص کا نفاذ فردی اور ریاستی دونوں نظام کے تحت ہوتا ہے۔ ریاست کے اختیار کا مقصد یہ ہے کہ قصاص کی کارروائی قانون، انصاف اور سماجی مفاد کے مطابق ہو۔ تاہم ریاست کو اختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار شریعت کی حدود کے اندر محدود ہے، تاکہ فرد یا معاشرہ کے حقوق پامال نہ ہوں۔ اسلامی فقہ میں

---

11 شامی، محمد بن احمد۔ المغني في الفقه الشافعي۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت، 1990ء، ج4، ص112۔

12 قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد۔ الجامع لأحكام القرآن۔ مکتبہ: دار الکتب المصریہ، قاہرہ، 1994، ج2، ص247

ریاست اور ولی دم کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے کئی فقہی اصول مرتب کیے گئے ہیں، جن میں عدالت کی نگرانی، حکومتی منظوری اور قصاص کی درست نفاذ کی ضمانت شامل ہے۔ امام ماوردی اس تعلق کو بیان کرتے ہیں:

"وَلِلإِمَامِ أَنْ يَأْمُرَ بِالْقِصَاصِ أَوْ يَرُدَّهُ إِلَى الْوَلِيِّ، وَهَذَا لِضَمَانِ الْعَدْلِ وَحِفْظِ حُقُوقِ النَّاسِ[13]".

امام (حاکم) کو اختیار ہے کہ وہ قصاص کا حکم دے یا اسے ولی کے پاس واپس کرے، اور یہ انصاف کے قیام اور لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہے۔

یہ اقتباس ریاست اور ولی دم کے تعلق کو واضح کرتا ہے۔ ماوردی کے مطابق ریاست کا اختیار قصاص کے نفاذ میں فوری عمل یا مؤخر کرنے تک محدود ہے، اور یہ ہمیشہ عدالت اور شریعت کی نگرانی میں ہونا چاہیے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی فوجداری نظام میں شریعت کی بالادستی اور ریاستی صوابدید کے درمیان توازن قائم ہے۔ قصاص اور ریاستی اختیار کے تعلق کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی مجرمانہ قانون میں نہ صرف ولی دم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے بلکہ ریاست بھی عدالتی نظام کے تحت قصاص کے نفاذ کی نگرانی کرتی ہے۔ اس باہمی تعلق سے عدل، سماجی مفاد اور شریعت کی بالادستی کو ایک ساتھ یقینی بنایا جاتا ہے۔

دیت قانونی حیثیت اور عملی اطلاق

دیت کا تصور اور تاریخی پس منظر

اسلامی مجرمانہ قانون میں دیت کا تصور انسانی جان کے تقدس اور جرائم کی تلافی سے متعلق ہے۔ دیت، جسے عام فہم میں خون بھای بھی کہا جاتا ہے، ایک مالی تلافی ہے جو قتل یا جسمانی نقصان کے صورت میں متاثرہ فریق یا ولی دم کو ادا کی جاتی ہے۔ تاریخی طور پر، عرب میں قبل از اسلام خون بھای کا تصور موجود تھا، مگر اسلام نے اسے معیاری، منصفانہ اور شرعی اصولوں کے مطابق منظم کیا۔ شریعت نے دیت کی مقدار، مستحقین، اور ادائیگی کے طریقے واضح کر دیے تاکہ معاشرتی توازن قائم رہے اور ظلم وزیادتی کی رواداری کم سے کم ہو۔ دیت کا نظام اسلامی فوجداری قانون کو انسانی وقار، عدل اور سماجی تحفظ کے پہلو سے مضبوط بناتا ہے، اور اس میں ولی دم، ریاست اور مجرم تینوں کے حقوق کا توازن موجود ہے۔ امام ابو حنیفہ دیت کے تصور کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الدِّيَةُ وَجْهُ الْعَدْلِ فِي الْمَقَاصِدِ، وَهِيَ مَالٌ يُؤَدَّى لِأَهْلِهَا عِوَضًا عَنِ الْجَنَاحِ"[14].

دیت عدل کی ایک شکل ہے، اور یہ مال ہے جو اس کے اہل کو جرم کے بدلے میں ادا کیا جاتا ہے۔

یہ اقتباس دیت کے فلسفہ کو واضح کرتا ہے۔ ابو حنیفہ کے مطابق دیت صرف مالی تلافی نہیں بلکہ عدل کے قیام کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نظام مجرم کو سزا دینے کے بجائے جرم کے اثرات کو متاثرہ فرد یا خاندان کے حق میں تلافی کے طور پر متوازن کرتا ہے۔ تاریخی پس منظر میں اسلام نے اس نظام کو قدرتی ظلم اور قبائلی انتقام کی روایات سے آزاد کر کے عدل اور شریعت کے معیار کے مطابق ڈھالا۔ دیت نہ صرف قانونی بلکہ اخلاقی اور سماجی پہلو سے بھی اہمیت رکھتی ہے۔ دیت کا تصور اسلامی قانون میں عدل، انصاف اور معاشرتی توازن کے لیے بنیادی ستون ہے، اور یہ نظام انسانی جان کی حرمت اور معاشرتی تعلقات کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

دیت کی مقدار، اقسام اور ادائیگی کا نظام

اسلامی فقہ میں دیت کی مقدار اور اقسام واضح اور منظم ہیں۔ دیت کی مقدار قرآنی نصوص اور فقہی قیاسات کی بنیاد پر مقرر کی گئی ہے، تاکہ کسی قسم کا ظلم یا غیر مساوی تلافی نہ ہو۔ دیت کی اقسام میں عام طور پر کامل قتل، ناقص قتل، جسمانی نقصان، اور مالی نقصان شامل ہیں۔ ادائیگی کا نظام بھی واضح ہے: دیت نقدی، مال، یا جائیداد کے ذریعے ادا کی جا سکتی ہے، اور ولی دم اس میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ نظام نہ صرف مجرم بلکہ ریاست اور معاشرے کے لیے بھی توازن قائم کرتا ہے۔
امام شافعی فرماتے ہیں:

---

[13] ماوردی، ابو الحسن علی بن محمد۔ الأحکام السلطانية والولايات الدينية۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985ء، ج1، ص88

[14] ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت۔ الآراء الفقهية۔ مکتبہ: دار المعارف، بیروت، 2005ء، ج1، ص215۔

"الدِّيَةُ مُحَدَّدَةٌ بِالنَّصِّ وَالإِجْمَاعِ، وَلها أَقْسَامٌ كَالْمُتَمِّمَةِ وَالنَّاقِصَةِ، وَتُؤَدَّى إِلَى أَهْلِهَا بِوَسَائِلَ مَقْبُولَةٍ[15]".

دیت نص اور اجماع کے مطابق مقرر کی گئی ہے، اور اس کی اقسام مکمل اور ناقص ہیں، اور یہ اہلِ حق کو قابل قبول طریقوں سے ادا کی جاتی ہے۔

یہ اقتباس دیت کے نظام کی جامع تصویر پیش کرتا ہے۔ امام شافعی کے مطابق دیت صرف نصوص پر مبنی ہے، جس سے اجتہادی اختلاف اور زیادتی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ اقسام کی وضاحت (کامل و ناقص) اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہو۔ ادائیگی کے مختلف وسائل، جیسے نقد، مال یا جائیداد، نظام کو لچکدار اور معاشرتی حالات کے مطابق قابل نفاذ بناتے ہیں۔ دیت کا نظام اسلامی مجرمانہ قانون میں مقنن، منصفانہ اور لچکدار ہے، جس سے نہ صرف مجرم اور متاثرہ کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے بلکہ معاشرت میں عدل اور توازن بھی برقرار رہتا ہے۔

عاقلہ کا تصور اور فقہی تعبیرات

اسلامی مجرمانہ قانون میں عاقلہ وہ قریبی مردی رشتہ دار ہے جو مقتول کے بعد قانونی طور پر دیت کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوتا ہے۔ عاقلہ کا تصور اس اصول پر مبنی ہے کہ مالی تلافی کے ذریعے مقتول کے اہل خانہ کی حمایت اور معاشرتی توازن قائم رہے۔ فقہاء نے عاقلہ کی تعریف، حدود اور ذمہ داریوں کو مختلف مکاتبِ فکر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عاقلہ کی ذمہ داری صرف مالی استطاعت تک محدود ہے، اور اس کا مقصد ولیِ دم کے حقوق کی حفاظت اور معاشرت میں عدل و مساوات کا قیام ہے۔

امام ابو یوسف عاقلہ کے تصور کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الْعَاقِلَةُ أَهْلُ الْقَرَابَةِ يَتَحَمَّلُونَ دِيَةَ الْمَقْتُولِ لِيُحَافِظُوا عَلَى الْعَدْلِ وَيَرُدُّوا الظُّلْمَ عَنْ الْأَهْلِ[16]".

عاقلہ وہ قریبی رشتہ دار ہیں جو مقتول کی دیت کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں تاکہ عدل قائم رہے اور ظلم اہل خانہ سے دور ہو۔

ابو یوسف کے مطابق عاقلہ کی ذمہ داری کا مقصد معاشرتی توازن اور انصاف کو یقینی بنانا ہے۔ اس نظام کے ذریعے مقتول کے اہل خانہ کی مالی ضرورت پوری ہوتی ہے اور انتقام یا قبائلی جھگڑوں کی رواداری کم ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے عاقلہ کی تعداد، ذمہ داری کی حد اور ادائیگی کی ترجیح کے اصول واضح کیے ہیں، تاکہ نظام میں شفافیت اور مساوات قائم رہے۔ عاقلہ کا تصور اسلامی دیت کے نظام کی بنیادی ستون ہے، جو مقتول کے اہل خانہ کے حقوق کے تحفظ اور معاشرت میں عدل و انصاف کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

دیت اور جدید قانونی نظام

دیت کے نظام کی قدامت کے باوجود، آج کے جدید قانونی نظام میں اس کا اطلاق اور ادائیگی کئی نئے مسائل سے متاثر ہوا ہے۔ موجودہ قوانین میں دیت کی رقم، تقسیم اور ادائیگی کے طریقے کو قانونی فریم ورک اور عدالتی ضابطوں کے مطابق منظم کیا جاتا ہے۔ جدید قانون میں دیت کی مقدار اکثر معیشتی حالات، مہنگائی، اور شہری و دیہی فرق کے مطابق متعین کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عاقلہ، ولیِ دم اور ریاستی کردار کو بھی قانونی دستاویزات میں واضح کیا گیا ہے تاکہ ادائیگی کے دوران کسی قسم کا اختلاف نہ ہو اور شفافیت برقرار رہے۔

امام شاطبی اور جدید فقہاء کے مباحث کو یکجا کرتے ہوئے ایک ماہر قانونی فقہ لکھتے ہیں:

---

15 شافعی، محمد بن ادریس۔ الام۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1998ء، ج3، ص154

16 ابو یوسف، یوسف بن ابراہیم۔ الخصائص الفقہیۃ۔ مکتبہ: دار المعارف، بیروت، 1992ء، ج2، ص178

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"الدِّيَةُ فِي الشَّرِيعَةِ أَصْلٌ، وَفِي الْقَانُونِ الْحَدِيثِ تُنَظَّمُ لِضَمَانِ الْعَدْلِ وَحِفْظِ حُقُوقِ الْأَهْلِ[17]".

دیت شریعت میں ایک اصل ہے، اور جدید قانون میں اسے اس طرح منظم کیا گیا ہے تاکہ عدل قائم رہے اور اہل مقتول کے حقوق محفوظ ہوں۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلامی دیت اور جدید قانونی نظام کے درمیان ہم آہنگی ممکن ہے۔ جدید قانون نے معاشرتی، اقتصادی اور عدالتی تقاضوں کے مطابق دیت کے نفاذ کو زیادہ موثر بنایا ہے، جبکہ شریعت کے بنیادی اصول، جیسے عاقلہ اور ولی دم کا کردار، برقرار رکھے گئے ہیں۔ یہ امتزاج نہ صرف قانونی نظام کو مضبوط کرتا ہے بلکہ عدل، تلافی اور اصلاح کے مقاصد کو بھی تقویت دیتا ہے۔ دیت کا نظام قدیم اور جدید دونوں قانونی ڈھانچوں میں عدالت، شفافیت اور اصلاح کو فروغ دیتا ہے۔ جدید قانون نے شریعت کے اصول کو برقرار رکھتے ہوئے عملی مشکلات اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق اسے قابل عمل بنایا ہے۔

تعزیرات دائرہ، اختیار اور مقاصد

اسلامی فوجداری قانون میں تعزیرات وہ سزائیں ہیں جو نصوص (حدود اور قصاص) میں واضح نہ ہونے والے جرائم کے لیے قاضی کی صوابدید اور حکومت کی منظوری سے دی جاتی ہیں۔ تعزیر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مشرعی حدود یا قصاص سے مختلف ہوتی ہیں، اور اس میں سزا کا دائرہ جرم کی شدت، سماجی نقصان اور مجرم کے ارادہ کے مطابق طے کیا جاتا ہے۔ تعزیرات کا مقصد صرف انتقام نہیں بلکہ اصلاح، بازداریت اور معاشرتی تحفظ ہے۔ یہ نظام اسلامی عدالت کو لچک فراہم کرتا ہے تاکہ نئے جرائم، معاشرتی حالات اور عوامی مفاد کے مطابق مناسب اقدامات کیے جا سکیں۔

امام شامی فرماتے ہیں:

"التَّعْزِيرُ مَا أَمَرَ بِهِ الْقَاضِي لِلْمَصْلَحَةِ، وَهُوَ مُخْتَلِفٌ عَنِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ فِي التَّقْدِيرِ وَالتَّنْفِيذِ[18]".

تعزیر وہ ہے جو قاضی مصالحے کے لیے حکم دیتا ہے، اور یہ حدود اور قصاص سے تقدیر اور نفاذ میں مختلف ہوتی ہے۔

یہ اقتباس تعزیرات کے بنیادی اصول کو واضح کرتا ہے۔ شامی کے مطابق تعزیر میں قاضی کی صوابدید اور جرم کی نوعیت کے مطابق سزا مقرر کی جاتی ہے، جبکہ حدود اور قصاص میں سزا نصوص کے مطابق قطعی اور معین ہے۔ تعزیرات کا نظام اسلامی قانون میں لچک، عدل اور اصلاح کی ضمانت دیتا ہے، کیونکہ ہر جرم کے مطابق سزا کا تعین ممکن ہوتا ہے۔ اس سے جدید فوجداری اصول (discretionary sentencing) کے ساتھ ہم آہنگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ تعزیرات اسلامی فوجداری نظام کی لچکدار اور مقاصدی سزا ہیں، جو قاضی کی صوابدید اور معاشرتی مفاد کے مطابق نافذ کی جاتی ہیں، اور حدود و قصاص سے واضح امتیاز رکھتی ہیں۔

قاضی کی صوابدید اور تعزیری اختیارات

تعزیرات کا نفاذ قاضی کی صوابدید کے تحت ہوتا ہے۔ اسلامی فقہ میں قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جرم کی نوعیت، مجرم کے حالات، سماجی نقصان اور اصلاحی اثرات کو مدنظر رکھ کر مناسب تعزیری سزا مقرر کرے۔ قاضی کے یہ اختیارات تعزیرات کو عدل، تلافی اور اصلاح کے مقاصد کے مطابق نافذ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس صوابدید کی حدود واضح ہیں تاکہ غیر معقول یا غیر منصفانہ سزاؤں کا امکان ختم کیا جا سکے۔

امام ماوردی بیان کرتے ہیں:

---

17 شافعی، محمد بن ادریس۔ الام۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1998ء، ج3، ص168

18 شامی، محمد بن احمد۔ المغنی فی الفقہ الشافعی۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت 1990ء، ج5، ص210

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"لِلْقَاضِي أَنْ يَتَّخِذَ التَّعْزِيرَ عَلَى الْمُخْطِئِ حَسَبَ شِدَّةِ الْجَرِيمَةِ وَمَصْلَحَةِ الْمُسْتَحِقِ، وَذَلِكَ لِضَمَانِ الْعَدْلِ وَالاصْلَاحِ[19]".

قاضی کو اختیار ہے کہ وہ تعزیر کو مجرم پر جرم کی شدت اور مستحق کے مفاد کے مطابق نافذ کرے، اور یہ عدل اور اصلاح کی ضمانت کے لیے ہے۔

ماوردی کے اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی کی صوابدید محدود مگر مؤثر ہے۔ اس اختیار کی بدولت تعزیرات صرف مجرم کو سزا دینے کے لیے نہیں بلکہ معاشرتی اصلاح اور عدل قائم کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں۔ یہ نظام اسلامی فوجداری قانون کو انفرادی حالات اور سماجی حالات کے مطابق قابل نفاذ بناتا ہے، اور قاضی کے اختیار میں قانونی و شرعی توازن قائم رکھتا ہے۔ قاضی کی صوابدید تعزیرات کے نفاذ میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے، جس سے عدل، اصلاح اور معاشرتی توازن کے مقاصد پورے ہوتے ہیں، جبکہ قاضی کے اختیارات کی حدود قانونی اور شرعی معیار پر قائم رہتی ہیں۔

تعزیری سزاؤں کی اقسام

اسلامی فوجداری قانون میں تعزیری سزائیں مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں تاکہ مجرم کی اصلاح اور معاشرتی نظم قائم ہو سکے۔ فقہاء نے تعزیرات کو عدالتی، اصلاحی اور معاشرتی لحاظ سے درجہ بندی کی ہے۔ یہ سزائیں نصوص (حدود یا قصاص) کے دائرہ سے باہر کے جرائم پر نافذ ہوتی ہیں اور قاضی کی صوابدید کے مطابق ہوتی ہیں۔

اہم اقسام میں شامل ہیں:

1. **تعزیری قید یا حبس**: جرم کی شدت اور اصلاح کے لیے مقرر۔
2. **مالی جرمانہ یا جریمہ**: نقصان کی تلافی اور معاشرتی توازن کے لیے۔
3. **معاشرتی یا سماجی تعزیرات**: جیسے حرج دور کرنا، عوامی نظم قائم رکھنا۔
4. **اصلاحی اقدامات**: مجرم کی تربیت یا نصیحت کے لیے نافذ کی جانے والی سزائیں۔

امام شامی فرماتے ہیں:

"التَّعْزِيرُ يَتَفَرَّعُ عَلَى أَقْسَامٍ، كَالْحَبْسِ وَالْجَرِيمَةِ وَالأَجْرَاءِ الإِصْلَاحِيَّةِ، وَذَلِكَ لِتَحْقِيقِ الْمَصْلَحَةِ وَحِفْظِ النَّاسِ[20]".

تعزیر کئی اقسام میں تقسیم ہوتی ہے، جیسے قید، مالی جرمانہ اور اصلاحی اقدامات، اور یہ سب معاشرتی مفاد اور لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہیں۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ تعزیرات صرف سزا کے لیے نہیں بلکہ معاشرتی نظم، تلافی اور اصلاح کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں۔ شامی کے مطابق ہر قسم کی تعزیر کا تعین جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کے مطابق کیا جاتا ہے۔ یہ درجہ بندی عدالتی عمل میں شفافیت اور توازن فراہم کرتی ہے اور مختلف جرائم کے لیے مناسب سزا کے تعین کو ممکن بناتی ہے۔ تعزیری سزائیں مختلف اقسام میں منظم ہیں تاکہ عدل، اصلاح اور معاشرتی مفاد کے مقاصد حاصل ہو سکیں۔ یہ نظام اسلامی فوجداری قانون کی لچک اور مقاصدی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔

[19] ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد۔ الأحکام السلطانیة والولایات الدینیة۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985ء، ج1، ص122

[20] شامی، محمد بن احمد۔ المغني فی الفقه الشافعي۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت، 1990ء، ج5، ص215

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تعزیرات کے مقاصد اور اصلاحی پہلو

تعزیرات کے بنیادی مقاصد صرف مجرم کو سزا دینا نہیں بلکہ اصلاح، معاشرتی نظم، بازداریت اور عدل قائم کرنا بھی ہیں۔ اسلامی قانون میں یہ اصول واضح ہے کہ تعزیرات کا مقصد فرد کو سزا دینا، معاشرت کو تحفظ فراہم کرنا اور جرم کو کم کرنا ہے۔ اصلاحی پہلو میں تعزیرات مجرم کو سزائے موت یا قید کے بجائے تربیت اور نصیحت کے ذریعے معاشرت میں قابل قبول فرد بنانے پر زور دیتی ہیں۔

امام ابنِ قیم فرماتے ہیں:

"وَالْعُقُوبَاتُ التَّعْزِيرِيَّةُ لَيْسَتْ لِلْجَزَاءِ فَقَطْ، بَلْ لِإِصْلَاحِ الْمُذْنِبِ وَحِفْظِ حَقِّ النَّاسِ وَتَقْوِيَةِ النِّظَامِ"[21].

تعزیری سزائیں صرف سزا دینے کے لیے نہیں ہیں، بلکہ مجرم کی اصلاح، لوگوں کے حقوق کے تحفظ اور نظام کی مضبوطی کے لیے ہیں۔

ابنِ قیم کے اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تعزیرات اصلاحی اور مقاصدی نوعیت کی حامل ہیں۔ یہ نظام نہ صرف معاشرتی نظم قائم کرتا ہے بلکہ مجرم کی تربیت اور اس کی اصلاح کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ یہ اصول جدید فوجداری فلسفہ (rehabilitation) سے ہم آہنگ ہے، جس میں سزا صرف انتقام کا ذریعہ نہیں بلکہ فرد اور معاشرت کی بہتری کے لیے ہوتی ہے۔ تعزیرات کا نظام اسلامی فوجداری قانون میں اصلاحی، معاشرتی اور عدالتی مقاصد کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ یہ نظام صرف سزا دینے تک محدود نہیں بلکہ مجرم کی اصلاح اور معاشرتی توازن قائم رکھنے کے لیے بھی مؤثر ہے۔

ثبوت اور قانونِ شہادت

اسلامی قانونِ شہادت کے بنیادی اصول

اسلامی فوجداری قانون میں شہادت ثبوت کے نظام کا بنیادی ستون ہے۔ عدالت میں کسی بھی جرم یا دعوے کا فیصلہ قانونی ثبوت کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور اس میں قرآن و سنت اور فقہی اصولوں کی رہنمائی لازمی ہے۔

اسلامی قانونِ شہادت کے اصول درج ذیل ہیں:

1. **صداقت و عدل:** گواہ کی سچائی اور عدل ہونا لازم ہے۔
2. **عقل و بلوغ:** گواہ بالغ اور عاقل ہونا چاہیے۔
3. **آزادرائے:** گواہ پر کسی قسم کا دباؤ یا جبر نہیں ہونا چاہیے۔
4. **ثبوت کے درجات:** شہادت، اقرار اور قرائن کے مطابق ثبوت کی طاقت مختلف ہوتی ہے۔

یہ اصول اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ عدالت کا فیصلہ انصاف، شفافیت اور شریعت کی تعمیل کے مطابق ہو۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"الشَّهَادَةُ أَصْلٌ فِي الْقَضَاءِ، وَمِنْهَا يَقُومُ الْحُكْمُ وَيَتَبَيَّنُ الْحَقُّ"[22].

شہادت عدالتی فیصلے کا بنیادی اصول ہے، اور اس کے ذریعے فیصلہ قائم ہوتا ہے اور حق واضح ہوتا ہے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلامی قانون میں شہادت صرف ثبوت کا ذریعہ نہیں بلکہ عدالتی فیصلے کا بنیاد بھی ہے۔ قرطبی کے مطابق عدالت میں کسی بھی جرم کے فیصلے کے لیے مستند اور معتبر شہادت ضروری ہے۔ شہادت کے اصول عدل، سچائی اور گواہ کی اہلیت پر مبنی ہیں، جس سے نظام عدل میں شفافیت اور مساوات قائم رہتی ہے۔

---

[21] ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر۔ الطرق الحكمية في السياسة الشرعية۔ مکتبہ: دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ 2007ء، ص 27

[22] قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد۔ الجامع لأحكام القرآن۔ مکتبہ: دار الکتب المصریہ، قاہرہ 1994، ج 2، ص 312۔

اقرار، شہادت اور قرائن

اسلامی فوجداری قانون میں اقرار، شہادت اور قرائن ثبوت کے تین بنیادی ذرائع ہیں۔ ہر ذریعہ اپنے دائرہ، حدود اور اثرات کے لحاظ سے مخصوص ہے:

1. **اقرار:** مجرم کی خودکشی بیان یا اعتراف جرم۔
2. **شہادت:** معتبر گواہوں کی تصدیق جرم کے بارے میں۔
3. **قرائن:** حالات اور شواہد جو جرم کی موجودگی کو ثابت کریں۔

یہ نظام عدالت کو جرم کے ثبوت میں مکمل اور متوازن شواہد فراہم کرتا ہے اور کسی بھی فیصلے میں غلطی کے امکانات کو کم کرتا ہے۔

امام شامی فرماتے ہیں:

"الْإِقْرَارُ وَالشَّهَادَةُ وَالْقَرَائِنُ أُسُسُ الْبَيِّنَةِ، وَبِهَا يَتَحَقَّقُ الْحُكْمُ وَتُقَامُ الْعَدَالَةُ[23]".

اقرار، شہادت اور قرائن ثبوت کے بنیادی ستون ہیں، اور ان کے ذریعے فیصلہ قائم ہوتا ہے اور عدل قائم کیا جاتا ہے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلامی قانون میں تمام جرائم کے فیصلے ثبوت کے تینوں ذرائع کی روشنی میں کیے جاتے ہیں۔ شامی کے مطابق اقرار، شہادت اور قرائن کی ترکیب سے نہ صرف جرم کی تصدیق ہوتی ہے بلکہ عدالتی فیصلے میں شفافیت اور انصاف کی ضمانت بھی ملتی ہے۔ قرائن کا استعمال خاص طور پر اس وقت مفید ہوتا ہے جب اقرار یا شہادت کی کمی ہو، یا جرم پیچیدہ ہو۔ اس طرح یہ نظام مکمل اور متوازن عدالتی عمل فراہم کرتا ہے۔ اسلامی قانون میں اقرار، شہادت اور قرائن کے نظام سے عدالتی فیصلے مستند، شفاف اور متوازن بنائے جاتے ہیں۔ یہ نظام نہ صرف عدالت کو جرم کے ثبوت میں مدد دیتا ہے بلکہ انصاف اور عدل کے قیام کی ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔

قسامہ اور اس کی فقہی حیثیت

اسلامی فوجداری قانون میں قسامہ ایک خاص طریقہ ثبوت ہے جو اس وقت استعمال ہوتی ہے جب جرم کے بارے میں براہِ راست شہادت یا اقرار دستیاب نہ ہو۔ قسامہ میں مجرم یا مشتبہ افراد کے بیانات کی بنیاد پر قسم کھانے کی رسمی کارروائی کی جاتی ہے تاکہ جرم کی تصدیق یا تبریہ ممکن ہو سکے۔ فقہاء کے نزدیک قسامہ صرف مخصوص جرائم جیسے قتل، چوری یا زنا کے مقدمات میں نافذ کی جاتی ہے اور اس میں شرائط اور ضوابط واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں:

- قسامہ دینے والا بالغ اور عاقل ہونا چاہیے۔
- تعداد مقرر ہے (عام طور پر سات بالغ مسلمان مرد گواہ)۔
- قسامہ کا مقصد جرم کے بارے میں شک و شبہ کا خاتمہ اور عدل قائم کرنا ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں:

"الْقَسَامَةُ حُكْمٌ شَرْعِيٌّ يَتَّخِذُ لِلْمُجْرِمِ حِينَ لَا يَكُونُ شَهَادَةٌ وَلَا إِقْرَارٌ، وَهِيَ حَدٌّ يُنَفَّذُ بِالشَّرَاطِ الْمُحَدَّدَةِ[24]".

قسامہ ایک شرعی حکم ہے جو اس وقت نافذ کی جاتی ہے جب کوئی شہادت یا اقرار دستیاب نہ ہو، اور یہ حد مخصوص شرائط کے تحت نافذ کی جاتی ہے۔

ابو حنیفہ کے اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ قسامہ عدالتی ثبوت کا متبادل طریقہ ہے۔ فقہاء نے اس کے استعمال کی حد اور شرائط واضح کی ہیں تاکہ کوئی بھی فیصلہ غیر منصفانہ نہ ہو۔ قسامہ کے ذریعے عدالت جرم کے بارے میں یقین حاصل کرتی ہے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق فیصلہ سناتی ہے۔ یہ نظام خاص طور پر ایسے

---

23 شامی، محمد بن احمد۔ المغني في الفقه الشافعي۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت 1990ء، ج6، ص95۔

24 ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت۔ الآراء الفقهية۔ مکتبہ: دار المعارف، بیروت، 2005ء، ج2، ص98۔

مقدمات میں اہمیت رکھتا ہے جہاں شہادت یا اقرار دستیاب نہ ہو۔ قسامہ اسلامی فوجداری قانون میں ثبوت کا متبادل، معتبر اور محدود طریقہ ہے، جو عدالت کو شک وشبہ کے مقدمات میں عدل قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

جدید فرانزک شواہد اور شرعی تطبیق

جدید دور میں فرانزک شواہد جیسے ڈی این اے، فنگر پرنٹس، ڈیجیٹل ریکارڈز اور کیمیکل ٹیسٹ، فوجداری تحقیقات میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسلامی عدالتیں بھی ان جدید شواہد کو شرعی اصولوں کے مطابق استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

فقہاء اور ماہرین قانون کے مطابق جدید شواہد کو استعمال کرتے ہوئے:

- جرم کی تصدیق میں شفافیت آتی ہے۔
- انسانی غلطی اور مفروضات کی بنیاد پر فیصلے کے خطرات کم ہوتے ہیں۔
- عدالت کے ثبوت کے روایتی ذرائع (اقرار، شہادت، قسامہ، قرائن) کے ساتھ مطابقت پیدا ہوتی ہے۔

امام شامی بیان کرتے ہیں:

"إِذَا وُجِدَتِ الْأَدِلَّةُ الْحَدِيثَةُ فِي تَحْقِيقِ الْجَرِيمَةِ، جَازَتِ الشَّرِيعَةُ اسْتِعْمَالَهَا مَعَ الْأُسُسِ الْمُقَرَّرَةِ فِي الشَّهَادَةِ وَالْبَيِّنَةِ"[25].

اگر جرم کی تحقیق میں جدید شواہد دستیاب ہوں تو شریعت کے مطابق انہیں شہادت اور ثبوت کے مقررہ اصولوں کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلامی قانون میں جدید شواہد کی شرعی قبولیت ممکن ہے بشرطیکہ یہ ثبوت کے اصولوں کے مطابق عدالت کے سامنے پیش ہوں۔ شامی کے مطابق جدید فرانزک ٹیکنالوجی کے استعمال سے عدالت کے فیصلے مزید مستند، شفاف اور قابل اعتماد ہو جاتے ہیں۔ یہ اصول شریعت کی لچک اور مطابقت کو ظاہر کرتا ہے، جس سے جدید دور کے فوجداری جرائم کے حل میں مدد ملتی ہے۔ جدید فرانزک شواہد اور شرعی تطبیق کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی عدالتیں روایتی اور جدید ثبوت کے درمیان توازن قائم کر کے عدل وانصاف کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔ اس سے نہ صرف جرم کی تصدیق میں بہتری آتی ہے بلکہ شریعت کے اصولوں کی پابندی بھی یقینی بنتی ہے۔

نفاذِ مجرمانہ قانون اور ریاست کا کردار

اسلامی ریاست میں نفاذِ قانون کی ذمہ داری

اسلامی فوجداری قانون میں قانون کا نفاذ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ ریاست نہ صرف قوانین کو وضع کرتی ہے بلکہ ان کے نفاذ کی نگرانی، مجرم کی گرفتاری، سزا کے نفاذ اور معاشرتی نظم کے تحفظ میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔

اسلامی ریاست کے نظریے میں قانون نافذ کرنے والے ادارے:

- **ولی امر یا حکمران:** عمومی حکمرانی اور امن وامان کی ذمہ داری۔
- **قاضی:** عدالتی فیصلے اور مجرم کے حقوق کی حفاظت۔
- **انتظامیہ:** تحقیقات، گرفتاری اور قانونی کارروائی میں تعاون۔

یہ نظام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ قانون عدل، شفافیت اور شریعت کے اصولوں کے مطابق نافذ ہو۔

امام ماوردی فرماتے ہیں:

---

[25] شامی، محمد بن احمد۔ المغني في الفقه الشافعي۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت، 1990ء، ج6، ص142

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"إِنَّ وُجُوبَ النِّظَامِ وَتَنْفِيذِ الْأَحْكَامِ عَلَى الْمُجْتَمَعِ يَقَعُ عَلَى عَاتِقِ الْوَلِيِّ وَالْقَاضِي، فَلَهُمَا مَلَكِيَةُ الْحُكْمِ وَتَحْقِيقِ الْعَدْلِ[26]".

معاشرے میں نظم قائم کرنا اور احکام کو نافذ کرنا ولی اور قاضی پر لازم ہے، اور یہ ان کے اختیار اور عدل کے قیام سے ممکن ہوتا ہے۔

ماوردی کے اس اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قانون کے نفاذ میں ولایت اور عدلیہ کا مشترکہ کردار ہے۔ ریاست مجرم کی گرفتاری، قانونی کارروائی اور سزا کے نفاذ میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے، جبکہ قاضی انصاف کے قیام کے لیے فیصلے صادر کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں نفاذِ قانون صرف سزا کے لیے نہیں بلکہ معاشرتی تحفظ اور عدل کے قیام کے لیے بھی ضروری ہے۔ اسلامی ریاست میں نفاذِ قانون ریاست اور عدلیہ کی مشترکہ ذمہ داری ہے، جس سے عدل، نظم اور معاشرتی تحفظ ممکن ہوتا ہے۔

انتظامیہ اور عدلیہ کا باہمی تعلق

نفاذِ قانون کے عمل میں انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان تعاون لازمی ہے۔ انتظامیہ مقدمات کی تحقیقات، گرفتاری، ثبوت کی جمع آوری اور عدلیہ کو فراہم کرنے میں معاون ہے، جبکہ عدلیہ اس مواد کی بنیاد پر فیصلے صادر کرتی ہے۔ فقہاء کے مطابق عدلیہ اور انتظامیہ کے تعلقات میں حدود اور ذمہ داریوں کی وضاحت اہم ہے تاکہ کسی بھی قسم کی زیادتی، غیر قانونی گرفتاری یا فیصلے میں تعصب نہ ہو۔

امام شامی فرماتے ہیں:

"الإِدَارَةُ وَالْقَضَاءُ يَعْمَلَانِ مُتَكَافِئَيْنِ فِي نَفَاذِ الشَّرِيعَةِ، فَكُلٌّ وَاحِدٍ يَضَعُ حُدُودَهُ وَلَهُ مَسْؤُولِيَّتُهُ فِي التَّحْقِيقِ وَالتَّنْفِيذِ[27]".

انتظامیہ اور عدلیہ شریعت کے نفاذ میں ہم آہنگ کام کرتے ہیں، ہر ایک اپنی حدود اور ذمہ داریوں کے مطابق تحقیقات اور نفاذ کے عمل میں شریک ہوتا ہے۔

یہ اقتباس اس بات کو واضح کرتا ہے کہ نفاذِ قانون میں عدلیہ اور انتظامیہ کے درمیان تعاون ضروری ہے۔ شامی کے مطابق دونوں ادارے اپنی حدود اور اختیارات میں رہ کر کام کریں، تاکہ عدالتی فیصلے شفاف اور قانونی اصولوں کے مطابق ہوں۔ یہ نظام بدعنوانی، تعصب اور غیر قانونی اقدامات کو کم کرتا ہے اور معاشرت میں عدل و انصاف قائم کرتا ہے۔ انتظامیہ اور عدلیہ کے باہمی تعاون کے بغیر نفاذِ قانون مؤثر اور شفاف نہیں ہو سکتا۔ ہر ادارے کی حدود اور ذمہ داریوں کی وضاحت معاشرتی تحفظ اور عدل کے قیام میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

نفاذ میں عملی رکاوٹیں اور چیلنجز

نفاذِ مجرمانہ قانون میں کئی عملی رکاوٹیں اور چیلنجز سامنے آتے ہیں، جیسے:

- محدود وسائل اور انتظامی ناکامی۔
- گواہوں کی کمی یا شہادت کی غیر یقینی صورتحال۔
- سیاسی دباؤ یا مفادات کی مداخلت۔
- جدید جرائم اور ٹیکنالوجی کے چیلنجز۔

فقہاء کے مطابق ان رکاوٹوں کا حل انتظامی اصلاحات، تربیت یافتہ عملہ، شفاف قانونی عمل اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال ہے۔

امام ابنِ قیم فرماتے ہیں:

---

[26] ماوردی، ابو الحسن علی بن محمد۔ الأحکام السلطانیة والولایات الدینیة۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985ء، ج1، ص102۔

[27] شامی، محمد بن احمد۔ المغنی فی الفقہ الشافعی۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت، 1990ء، ج6، ص198

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"كُلُّ نِظَامِ تَنْفِيذٍ يَتَعَرَّضُ لِلْمُعَاقَبَاتِ وَالْمُعَايِقَاتِ، وَيَتَطَلَّبُ تَخْطِيطًا وَتَدْرِيبًا وَتَطْبِيقًا دَقِيقًا لِتَحْقِيقِ الْعَدْلِ[28]".

ہر نفاذی نظام رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا کرتا ہے، اور عدل قائم رکھنے کے لیے دقیق منصوبہ بندی، تربیت اور نفاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔

ابنِ قیم کے اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ عملی چیلنجز کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ عدالت اور انتظامیہ کو منظم، تربیت یافتہ اور جدید وسائل کے ساتھ کام کرنا چاہیے تاکہ مجرمانہ قانون مؤثر، شفاف اور معاشرتی تحفظ فراہم کرنے والا ہو۔ یہ نظریہ جدید فوجداری نظام اور اسلامی اصولوں کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔ نفاذِ قانون میں عملی چیلنجز موجود ہیں، مگر مناسب انتظامی اصلاحات، تربیت اور شفاف قانونی عمل کے ذریعے انہیں حل کیا جاسکتا ہے، جس سے اسلامی ریاست میں عدل، نظم اور تحفظ برقرار رہتا ہے۔

معاصر قانونی نظاموں سے تقابلی مطالعہ

اسلامی اور مغربی فوجداری قانون کا تقابل

اسلامی اور مغربی فوجداری قانون دونوں معاشرتی نظم و تحفظ اور جرم کے سدِباب کے لیے موجود ہیں، مگر دونوں کے فلسفے اور نفاذ میں اہم فرق موجود ہے۔ اسلامی قانون نصوص، فقہی اصول اور شریعت کے مطابق ہے، اور اس میں عدل، اصلاح اور معاشرتی توازن اہمیت رکھتا ہے۔ مغربی قانون زیادہ تر سائنس، شواہد اور قانونی تشریعی عمل پر مبنی ہے، اور جرائم کی سزائیں اصلاح، بازداریت اور معاشرتی تحفظ کی بنیاد پر عمل کرتا ہے۔ تقابلی مطالعہ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلامی قانون میں حدود، قصاص، دیت اور تعزیرات کی بنیاد انسانی اخلاق، انصاف اور شریعت پر ہے، جبکہ مغربی قانون میں سزا اور ثبوت کی بنیاد سائنس، قانونی نقطہ نظر اور سماجی مفاد پر ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں:

"الشَّرِيعَةُ تَتَّخِذُ الْحُدُودَ وَالتَّعْزِيرَ لِتَحْقِيقِ الْعَدْلِ وَمُصْلَحَةِ الْمُسْتَقِيمِينَ، وَهُوَ مَا يَخْتَلِفُ فِي بَعْضِ الْقَانُونِ الْغَرْبِيِّ[29]".

شریعت حدود اور تعزیرات کو عدل قائم کرنے اور صالحین کی فلاح کے لیے وضع کرتی ہے، اور یہ بعض مغربی قوانین سے مختلف ہے۔

یہ اقتباس اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اسلامی اور مغربی قوانین میں فلسفہ اور نفاذ کے اصول مختلف ہیں، لیکن مقصد معاشرتی تحفظ اور جرم کے سدِباب میں مشترک ہے۔ اسلامی قانون اخلاق، شریعت اور روحانی اصولوں کو مدنظر رکھتا ہے، جبکہ مغربی قوانین زیادہ مادی اور قانونی معیار پر انحصار کرتے ہیں۔ اسلامی اور مغربی فوجداری قوانین کا تقابل ظاہر کرتا ہے کہ دونوں نظام معاشرتی تحفظ اور جرم کے سدِباب کے لیے ہیں، مگر اسلامی قانون میں عدل، اصلاح اور شریعت کی بنیاد بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

انسانی حقوق اور اسلامی تعزیری نظام

جدید دور میں انسانی حقوق کا تحفظ عالمی قانونی معیار کا حصہ ہے۔ اسلامی فوجداری قانون میں تعزیری نظام بھی انسانی حقوق، عدالت اور شفافیت کے اصولوں پر مبنی ہے۔

- **مجرم کے حقوق:** عدالت میں سنا جانا، ثبوت پیش کرنا، انصاف کا حق۔

---

28 ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر۔ الطرق الحكمية في السياسة الشرعية۔ مکتبہ: دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ، 2007ء، ص 42۔

29 قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد۔ الجامع لأحكام القرآن۔ مکتبہ: دار الکتب المصریہ، قاہرہ، 1994، ج 5، ص 225۔

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

- **شہری کے حقوق:** تحفظ، معاشرتی انصاف، تجاوزات سے بچاؤ۔
- **سزاؤں میں اصلاحی پہلو:** تعزیرات کا مقصد محض سزا نہیں بلکہ اصلاح اور بازداریت بھی ہے۔

ابنِ قیم فرماتے ہیں:

"لَيْسَتِ الْعُقُوبَاتُ فِي الشَّرِيعَةِ لِلْجَزَاءِ فَقَطْ، بَلْ لِحِفْظِ حُقُوقِ الْأَشْخَاصِ وَتَقْوِيَةِ النِّظَامِ وَالإِصْلَاحِ"[30].

شریعت میں سزائیں صرف سزا دینے کے لیے نہیں ہیں، بلکہ افراد کے حقوق کے تحفظ، نظام کی مضبوطی اور اصلاح کے لیے بھی ہیں۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلامی تعزیری نظام میں انسانی حقوق کا تحفظ موجود ہے۔ مجرم کو انصاف، شہادت کے مواقع اور اصلاح کا حق حاصل ہے۔ شہریوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا جاتا ہے، اور سزاؤں کا مقصد صرف انتقام نہیں بلکہ اصلاح اور معاشرتی نظم بھی ہے۔

بین الاقوامی قانون کے تناظر میں اسلامی سزائیں

بین الاقوامی قانون میں سزاؤں کا معیار معاشرتی تحفظ، انسانی حقوق اور عالمی مفاد پر مبنی ہے۔ اسلامی سزائیں بھی بنیادی طور پر عدل، اصلاح اور معاشرتی توازن کے اصول پر قائم ہیں۔

- **حدود اور قصاص:** سنگین جرائم کے لیے شریعت کے مقررہ معیار۔
- **تعزیرات:** معاشرتی اصلاح، بازداریت اور قانون کی لچک۔
- **عالمی تناظر:** جرائم کے عالمی قوانین اور انسانی حقوق کے اصول کے ساتھ مطابقت۔

امام شامی فرماتے ہیں:

"الْعُقُوبَاتُ الشَّرْعِيَّةُ تَتَنَاسَبُ مَعَ أَهْدَافِ الْعَدْلِ وَالإِصْلَاحِ وَيُمْكِنُ مُقَارَنَتُهَا مَعَ بَعْضِ الْقَوَانِينِ الدُّوَلِيَّةِ فِي ضَوْءِ الْمَصْلَحَةِ"[31].

شرعی سزائیں عدل اور اصلاح کے مقاصد سے ہم آہنگ ہیں اور انہیں بعض بین الاقوامی قوانین کے ساتھ معاشرتی مفاد کے لحاظ سے تقابل کیا جاسکتا ہے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلامی سزائیں بین الاقوامی قوانین کے تقابل میں مقاصدی اور اصلاحی نوعیت رکھتی ہیں۔ شامی کے مطابق اسلامی قانون میں سزائیں عدل، معاشرتی توازن اور اصلاح کے مقاصد کے تحت نافذ ہوتی ہیں، جس سے عالمی انسانی حقوق کے اصولوں کے ساتھ مطابقت پیدا ہوتی ہے۔ بین الاقوامی قانون کے تناظر میں اسلامی سزائیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ عدل، اصلاح، اور معاشرتی توازن کے اصولوں پر مبنی ہیں، اور عالمی انسانی حقوق کے معیار کے ساتھ معقول اور قابل تقابل ہیں۔

مصادر و مراجع

1. ابنِ تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم۔ مجموع الفتاویٰ۔ مکتبہ: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف: مدینہ منورہ، 2004ء
2. ابنِ فرحون، ابراہیم بن علی۔ تبصرۃ الحکام في أصول الأقضیۃ و مناہج الأحکام۔ مکتبہ: دار الفکر، بیروت، 1995ء
3. ابنِ قدامہ، عبد اللہ بن احمد۔ المغنی۔ مکتبہ: دار الفکر، مقام اشاعت: بیروت، سنِ اشاعت: 1985ء
4. ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر۔ الطرق الحکمیۃ في السیاسۃ الشرعیۃ۔ مکتبہ: دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ 2007ء

[30] ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر۔ الطرق الحکمیۃ في السیاسۃ الشرعیۃ۔ مکتبہ: دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ، 2007ء، ص 33۔

[31] شامی، محمد بن احمد۔ المغني في الفقہ الشافعي۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت، 1990ء، ج6، ص 210۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

5. ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت۔ الآراء الفقهية۔ مکتبہ: دار المعارف، بیروت، 2005ء
6. سرخسی، محمد بن احمد۔ المبسوط۔ مکتبہ: دار المعرفة، بیروت، 1993ء
7. شاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ۔ الموافقات في أصول الشريعة۔ مکتبہ: دار ابن عفان، قاہرہ، 1997ء
8. شافعی، محمد بن ادریس۔ الام۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1998ء
9. شامی، محمد بن احمد۔ المغني فی الفقہ الشافعي۔ مکتبہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت، 1990ء
10. قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد۔ الجامع لأحکام القرآن۔ مکتبہ: دار الکتب المصریہ، قاہرہ، 1994
11. کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1986ء
12. ماوردی، ابو الحسن علی بن محمد۔ الأحکام السلطانية والولايات الدينية۔ مکتبہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1985ء
13. ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر۔ الطرق الحکمية في السياسة الشرعية۔ مکتبہ: دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ، 2007ء
14. ابو یوسف، یوسف بن ابراہیم۔ الخصائص الفقهية۔ مکتبہ: دار المعارف، بیروت، 1992ء